ت

ت - (حرف)

ت - یہ حرف جر ہے جو قسم کھانے کے معنوں میں آتا ہے - جیسے تَاللہِ (۵۷/۲۱) " اللہ کی قسم" - الثعالبی نے (فقہ اللغہ میں) لکھا ہے کہ یہ "تاء" اللہ تعالیٰ کے اسماء کے علاوہ اور کہیں استعمال نہیں ہوتی -

قرآن کریم میں متعدد مقامات میں یٰٓاَبَتِ آیا ہے جس کے معنی ہیں " اے میرے باپ" (مثلاً ۴/۱۲) - یہاں تِ دراصل یِ کی جگہ آئی ہے - یہ صرف اَب* کے ساتھ خصوصیت ہے -

تَابُوْت

تَابُوْت* - صندوق* - (۲/۲۴۸) - راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنے قلب اور سینے کے بھی ہیں** - لسان العرب سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے - اس اعتبار سے (۲/۲۴۸) میں اسکے معنی ایسے قلب کے ہونگے جو سکون و اطمینان سے لبریز ہو اور اسمیں حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کی تعلیم ہو اور اسے کائناتی قوتوں (ملائکہ) کی تائید حاصل ہو تاکہ اسمیں ثبات اور استقامت رہے - مراد یہ ہے کہ حضرت طالوت کو اس قسم کا قلب عطا ہوا تھا - اور اگر اس کے مجازی معنی نہ لئے جائیں تو اس سے مراد وہ تابوت ہے جس کا ذکر بائیبل میں آیا ہے -

(بعض کے نزدیک یہ تَابَ سے ہے - دیکھئے عنوان ت - و - ب)

ت ب ب

التَّبُّ* - خسارہ - اَلتَّبَابُ - التَّبِیْبُ - التَّتْبِیْبُ - نقصان اور خسارہ - ہلاکت اور تباہی - بربادی* - سورۃ ہود میں ہے وَمَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ (۱۱/۱۰۱) - "اس سے انکا نقصان یا ہلاکت ہی زیادہ ہوئی" -

---

* تاج - ** راغب -

سورۃ المومن میں ہے وَمَاكَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِىْ تَبَابٍ (۴۰/۳۷)۔ ''فرعون کی تدبیر ہلاکت کے سوا اور کچھ نہ تھی''۔ تَبَّ فُلَانًا۔ اس نے فلاں آدمی کو ہلاک کر دیا۔ اِسْتَتَبَّ الرَّجُلُ۔ آدمی ضعیف اور کمزور ہوگیا۔ عاجز ہوگیا **۔ اَلتَّابُّ۔ کمزور اور بوڑھا آدمی۔ اونٹ یا گدھا جسکی کمر زخمی ہوگئی ہو اور اسطرح وہ کام کے قابل نہ رہے *۔

قرآن کریم میں ہے تَبَّتْ يَدَا اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (۱۱۱/۱)۔ ''ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہوگئے اور وہ خود بھی ہلاک ہوگیا''۔ وہ خود بھی تباہ ہوگیا اور جس قوت کے بل پر وہ نظام خداوندی کی مخالفت کرتا تھا وہ بھی ختم ہوگئی۔ وہ مقابلہ کرنے سے عاجز آ گیا۔ تباہ و برباد ہوگیا۔ سخت نقصان میں رہا۔ (راغب کے الفاظ میں) مسلسل خسارہ میں رہا***۔

ت ب ر

اَلتِّبْرُ۔ سونا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ چاندی اور دیگر معدنیات کو بھی کہتے ہیں۔ بالخصوص اس حالت میں جبکہ انہیں کان سے نکالا جائے اور صاف کر کے ڈھالا نہ جائے۔ اَلتَّبْرُ۔ توڑ دینا۔ ہلاک کر دینا *۔ ابن فارس نے اس کے یہ دونوں معانی بنیادی لکھے ہیں۔ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا (۲۵/۳۹)۔ '' ان سب کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ''۔ ہلاک کر دیا۔ تباہ و برباد کر دیا۔ تَبَارًا (۷۱/۲۸)۔ ہلاکت۔ مُتَبَّرٌ (۷/۱۳۹)۔ ہلاک شدہ۔ برباد شدہ۔ ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا۔

ت ب ع

تَبِعَ کے معنی ہیں پیچھے پیچھے چلنا۔ بَقَرَةٌ مُتْبِعٌ اس گائے کو کہتے ہیں جس کا بچہ اس کے پیچھے پیچھے رہتا ہو۔ اور اس کے پیچھے چلنے والے بچھڑے کو تَبِيْعٌ کہتے ہیں۔ اَلتَّبَعُ۔ پیچھے چلنے والا (یہ تَابِعٌ کی جمع بھی ہے یعنی پیچھے چلنے والے)۔ اَتْبَعْتُهُمْ۔ میں ان کے پیچھے پیچھے چلا۔ وہ مجھ سے آگے نکل گئے تھے لیکن میں نے انہیں جا لیا *۔

قرآن کریم میں تَبِعَ کا لفظ عَصٰى (سرکشی) کے مقابلے میں آیا ہے (۱۴/۳۶)۔ لہذا اِتِّبَاعٌ کے معنے ہیں قوانین خداوندی کی اطاعت۔ ان قوانین کو (Follow) کرنا۔ اس کے برعکس وہ شخص ہے مَنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ (۲/۱۴۳)۔ '' جو پچھلے پاؤں واپس ہو جاتا ہے ''۔

*تاج۔ **محیط۔ ***راغب۔

دین چونکہ ایک اجتماعی نظام کا نام ھے اس لئے قوانین خداوندی کا اتباع انفرادی طور پر نہیں ھوگا بلکہ نظام کے تابع ھوگا ۔ یہ نظام سب سے پہلے نبی اکرمؐ نے متشکل فرمایا تھا ۔ اس لئے اتباع قوانین خداوندی آپؐ کے اتباع سے ھوتا تھا ($\frac{۷}{۱۵۷}$) ۔ آپؐ کے بعد یہ نظام آگے چلا اس لئے اس نظام میں خلیفۃ الرسول کے اتباع نے وھی مقام لے لیا ۔ یہی وجہ ھے جو قرآن نے کہا ھے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد تم پھر اپنی قدیم روش پر نہ چلے جانا بلکہ اس سلسلہ اتباع کو جاری رکھنا ۔ دیکھئے ($\frac{۳}{۱۴۴}$) ۔ واضح رھے کہ اتباع اور اطاعت میں ذرا سا فرق ھوتا ھے ۔ جیسے پیروی اور فرمانبرداری میں ۔ اس میں شبہ نہیں کہ اطاعت بھی اس فرمانبرداری کو کہتے ھیں جو بطیب خاطر کی جائے لیکن اس میں حکم کا شائبہ یا کسی قدر قانونی تقاضا ضرور ھوتا ھے ۔ لیکن اتباع میں انسان ، تَبِیْعٌ کی طرح ، بلاحکم و فرمان ، محبانہ جذبہ اور کشش سے کسی کے پیچھے پیچھے چلتا ھے ۔

اَلتَّابِعُ اور اَلتَّبِیْعُ ۔ خادم کو کہتے ھیں*۔ تَابِعٌ کی جمع، اَلتَّابِعِیْنَ ($\frac{۲۴}{۳۱}$) ۔ لیکن ($\frac{۱۷}{۶۹}$) میں تَبِیْعًا کے معنے ھیں کسی کے خلاف مقدمہ کی پیروی کرنے والا ۔ یا باز پرس کرنے والا ۔ نیز مطالبہ یا تقاضا کرتے ھوئے پیچھے لگ جانے والا ۔ سورۃ الشعراء میں اِتِّبَاعٌ کا لفظ جلوس نکالنے کے مفہوم میں استعمال ھوا ھے ۔ یعنی فاتح ساحرین کو آگے رکھکر ان کا جلوس نکالا جائے ($\frac{۲۶}{۴۰}$) ۔

تُبَّعٌ کے معنے ھیں ایک بات کے ساتھ ھی دوسری بات لے آنا ۔ یکے بعد دیگرے (مسلسل) واقع ھونا ۔ پے در پے واقع ھونا* ۔ اَلتُّبَّعُ یمن کے بادشاھوں کا لقب تھا ۔ کیونکہ وہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ھوتے رھتے تھے* ۔ قرآن کریم میں قوم تُبَّعٍ کا ذکر آیا ھے ۔ ($\frac{۵۰}{۱۴}$) ۔ اسے الگ عنوان میں بیان کیا گیا ھے ۔ (دیکھئے عنوان تُبّعٌ) ۔

کتاب الاشتقاق میں اَلتُّبَّعُ کے معنی اَلظِّلُّ (سایہ) دئے ھیں ۔ شاید اس لئے کہ سایہ ، روشنی کے سر چشمہ کے پیچھے پیچھے چلتا ھے ۔

تبع

سورۃ قٓ میں ھے وَاَصْحٰبُ الْاَیْکَۃِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۔ کُلٌّ کَذَّبَ الرُّسُلَ ($\frac{۵۰}{۱۴}$)۔ "اصحاب الایکۃ اورقوم تُبّع، ان سب نے ھمارے رسولوں

* تاج ۔

کو جھٹلایا،، ۔ دوسری جگہ قریش کے ضمن میں کہا گیا ہے کہ اَھُمْ خَیْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ (۴۴/۳۷) ،،کیا (یہ قریش) بہتر ہیں یا قوم تُبَّع،، ۔

تذکرۂ حضرت سلیمانؑ میں بتایا گیا ہے کہ یمن کے مشرقی علاقہ میں سبا کی حکومت تھی ۔ اسی قوم کی ایک شاخ مغربی علاقہ پر حکمران تھی جسے حِمْیَر کہتے ہیں ۔ جب رومیوں نے اہل سبا کی تجارت کو تباہ کیا تو حمیر کا ستارۂ اقبال چمک اٹھا اور وہ بڑی زبردست قوت اور دولت کے مالک بن گئے ۔ اس خاندان کے ایک بادشاہ نے اپنا لقب تُبَّع اختیار کیا جس کے معنی (حبشی زبان میں) سلطان کے ہیں ۔ یعنی غلبہ و استیلاء اور قوت و جبروت کا مالک ۔ یہ خاندان بھی (اہل سبا کیطرح) شروع میں کواکب پرست تھا لیکن بعد میں انہوں نے یہود کا مذہب اختیار کر لیا ۔ جب ذونواس کے زمانہ میں عیسائیوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی تو وہ سخت مشتعل ہو گیا ۔ اس نے عیسائیت کے مرکز نجران پر حملہ کر دیا ۔ پہلے تو اہل شہر قلعہ گزیں ہو گئے لیکن بالآخر شکست کھائی ۔ ذونواس کا تعصب بڑھ کر بربریت کی حد تک پہنچ گیا ۔ اس نے بڑے بڑے گڑھوں میں آگ جلائی اور عیسائیوں کو مجبور کیا کہ وہ یہودیت اختیار کریں ۔ جو اس سے انکار کرتا آگ کے گڑھے میں جھونک دیا جاتا ۔ قرآن کریم نے ذونواس کے اس سرکش لشکر کو اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ کہا ہے اور ان کے اس ظلم کی سخت مذمت کی ہے (۸۵/۴) ۔ اس لئے کہ قرآن کریم کا مقصد دنیا میں ظلم کو روکنا ہے خواہ وہ کسی کے ہاتھوں سے ہو اور کسی کے خلاف ہو ۔

ت ج ر

تِجَارَةٌ ۔ (پیشہ ورانہ) خرید و فروخت ۔ سودا گری ۔ کاروبار کو کہتے ہیں ۔ راغب نے تجارۃ کے معنے نفع کمانے کے لئے راس المال کو کاروبار میں لگانا بتائے ہیں ۔ محیط نے تجارۃ کے معنے وہ مال بھی بتائے ہیں جس سے تجارت کی جائے ۔ تَاجِرٌ پیشہ ور خرید و فروخت کرنے والے کو کہتے ہیں ۔ عرب شراب بیچنے والے کو بھی تاجر کہتے تھے* ۔ مجازاً کسی معاملہ میں مہارت اور ہوشیاری کو بھی تِجَارَةٌ کہتے ہیں اور حاذق و ماہر کو تَاجِرٌ* ۔

قرآن کریم میں ہے فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ (۲/۱۶) ۔ ’’انکی خرید و فروخت (ہدایت کے بدلے گمراہی اختیار کر لینے) نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا،، ۔

*تاج و محیط ۔

قرآن کریم نے ایمان (اسلام) کو بھی ایک قسم کی تجارت قرار دیا ہے جس میں بیع و شریٰ (خرید و فروخت) کا معاملہ ہوتا ہے۔ سورۃ توبہ میں ہے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ... (۹/۱۱۱) - ''یقیناً اللہ نے مومنین سے ان کی جان اور مال خرید لئے ہیں۔ اور ان کے بدلے میں انہیں جنت عطا کر دی ہے''۔ اس تجارت میں جماعت مومنین اپنی وہبی اور اکتسابی صلاحیتوں کے نتائج (جان اور مال) کو اس معاشرہ کے سپرد کر دیتے ہیں جو قوانین خداوندی کے مطابق متشکل ہوتا ہے اور یہ معاشرہ ان کے لئے دنیا میں جنتی زندگی کے سامان مہیا کر دیتا ہے (اور آخرت میں بھی انہیں جنت ملتی ہے) - یہی وہ تجارت ہے جس کے متعلق دوسری جگہ کہا ہے کہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ - تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ تُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَ اَنْفُسِکُمْ - ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۶۱/۱۰-۱۱) - ''اے جماعت مومنین! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت کا پتہ نشان دوں جو تمہیں درد ناک عذاب سے نجات دلا دے؟ - (وہ تجارت یہ ہے کہ) تم اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ - اور اپنی جان اور مال سے اللہ کی راہ میں جدو جہد کرو - اگر تم علم و بصیرت سے کام لوگے تو یہ حقیقت تم پر واضح ہو جائیگی کہ یہ تجارت تمہارے لئے کسقدر اچھی ہے'' - اس تجارت کا ماحصل عام کاروبار سے کہیں زیادہ نفع رساں ہے (۶۱/۱۲)** -

تبادلہ اشیاء (خرید و فروخت) کے معاملہ میں کسقدر منافع لیا جاسکتا ہے، اسکے متعلق عنوان (ب-ی-ع) میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے - اصول یہ ہے کہ منافع صرف محنت کے معاوضہ کے برابر لیا جا سکتا ہے - سرمایہ پر کچھ نہیں لیا جا سکتا - یہی اصول تجارت پر بھی صادق آئیگا - اس اصول کی روشنی میں قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم سمجھ میں آ جائیگا جس میں کہا گیا ہے کہ لَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ (۴/۲۹) - ''تم ایک دوسرے کا مال باطل طریق سے مت کھاؤ - سوائے اسکے کہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو'' - آجکل ''باہمی رضامندی سے تجارت'' سے مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ تم جسقدر جی چاہے منافع گاہک سے طلب کرو اور کہدو کہ جی چاہے تو خریدو

*تاج و محیط - ** تجارت اور بیع میں فرق کے لئے دیکھئے عنوان (ب-ی-ع)

نہ جی چاہے نہ خریدو۔ اس کے بعد اگر وہ خرید لیتا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنا منافع دینے پر رضامند ہو گیا ہے ۔ ایسا سمجھنا خود فریبی ہے۔ گاہک اپنی ضرورت سے مجبور ہو کر منہ مانگی قیمت دیتا ہے۔ یہ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِنْکُمْ نہیں کہلا سکتی ۔ جب منافع صرف محنت کا معاوضہ ہو جسے معاشرہ متعین کردے ، تو اسے ہر شخص بہ طیب خاطر ادا کردیگا ۔ اسے تراضیٔ مابین کہا جائیگا ۔ پہلی شکل تو وہ ہے جس کے متعلق قرآن کریم نے (مندرجہ بالا آیت کے ساتھ) کہا ہے کہ وَ لَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ (۴/۲۹) ''ایک دوسرے کو قتل مت کرو'' ۔ یا ''اپنے لوگوں کو قتل مت کرو''۔ دوسرے کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر منہ مانگے دام لینا ، اپنے لوگوں کو قتل کرنا ہے ۔ محنت کا معاوضہ لینا ایسا اصول ہے جس میں لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ (۲/۲۷۹) کی کیفیت پیدا ہوتی ہے ۔ یعنی نہ تم کسی پر زیادتی کرو ۔ نہ کوئی تم پر زیادتی کرے ۔ تبادلۂ اشیاء کا طریق کار ، معاشرہ میں ایک دوسرے کی زندگی بڑھانے کے لئے ہونا چاہئے ۔ نہ کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے ۔ اگر تجارت ، قرآن کی مستقل اقدار کے راستے میں حائل ہوتی ہے تو اسکا انجام تباہی ہے ۔ (۹/۲۴) ۔

ت ح ت

تَحْتَ ۔ فَوْقَ (اوپر) کی ضد ہے ۔ یعنی نیچے ۔ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ (۲/۲۵)۔ ''جن کے نیچے نہریں جاری ہیں''۔

اَلتُّحُوْتُ تَحْتَ کی جمع ہے جسکے معنے ہیں رذیل اور پست درجے کے لوگ* ۔

راغب نے کہا ہے کہ تَحْتَ کسی شے کے نچلے حصے کو نہیں کہتے بلکہ اس سے الگ اس کے نیچے کی چیز کے لئے بولتے ہیں ۔ اس کے برعکس، اَسْفَلُ اسی چیز کے نیچے کے حصے کو کہتے ہیں ۔ یعنی جب ایک چیز کے نیچے کوئی دوسری چیز ہوگی تو اسوقت تَحْتَ کہینگے ۔ لیکن جب اسی چیز کا نچلا حصہ کہنا ہو تو اَسْفَلُ کہینگے ۔

ت ر ب

اَلتَّرْبُ ۔ اَلتُّرَابُ ۔ مٹی (عَلَيْهِ تُرَابٌ ۲/۲۶۴) ۔ اسکی جمع

*تاج ۔

اَتْرِبَۃٌ اور تِرْبَانٌ آتی ہے ۔ مَتْرَبَۃٌ ۔ مسکنت ۔ افلاس ۔ فاقہ ۔ ذَامَتْرَبَۃٍ (۹۰/۱۶) ۔ خاک آلود ۔ حاجتمند ۔ مصیبت زدہ *

جَمَلٌ تَرَبُوْتٌ ۔ فرمانبردار اور سدھا ہوا اونٹ*

اَلتَّرَائِبُ ۔ سینہ کی ہڈیاں (۸۶/۷) ۔

اَلتِّرْبُ ۔ ہم عمر ۔ جمع اَتْرَابٌ ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ ہمسر اور برابر کے لوگوں کو کہتے ہیں اور یہ اس کے بنیادی معنوں میں سے ہے ۔ نیز اس کے معنی رفیق ۔ حبیب ۔ دوست اور سہیلی کے ہیں ۔

قرآن کریم میں جنت کے سلسلہ میں عُرُبًا اَتْرَابًا (۵۶/۳۷) ۔ یا کَوَاعِبَ اَتْرَابًا (۷۸/۳۳) کا ذکر آیا ہے ۔ اسکے معنے عام طور پر ہمعمر بیویاں کئے جاتے ہیں لیکن دراصل اس کے معنے ایسے ساتھیوں کے ہیں جو عادات و اطوار میں ایک دوسرے سے مماثل (ملتے) ہوں * ۔ ہم شکل ۔ ایک ہی مٹی کے بنے ہوئے ۔ کَوَاعِبَ اَتْرَابًا اور عُرُبًا اَتْرَابًا میں اَتْرَابًا صفت ہے کَوَاعِبَ اور عُرُبًا کی ۔ اس اعتبار سے اس کے معنی ایسی عورتیں ہونگی جو ہم مزاج اور مماثل ہوں ۔ یہ ہم مزاجی اور مماثلت عورتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ بھی ہوسکتی ہے ۔ یعنی ان میں ایک دوسرے کے خلاف جذبات عداوت و رقابت اور بیگانگی و مغایرت نہیں ہونگی بلکہ ان میں موافقت خیالات و تصورات ہوگی ۔ اور میاں بیوی میں باہمی موافقت اور مماثلت بھی مراد ہوسکتی ہے ۔ یعنی ایسی عورتیں جو اپنے خاوندوں کے ہم مزاج و ہم خیال ہونگی ۔ اخروی جنت میں ان تعلقات کی کیا کیفیت ہوگی ، اس کا ہم اندازہ نہیں لگا سکتے ۔ لیکن اس دنیا میں ، میاں اور بیوی کا ہم مزاج و ہم خیال ہونا جسطرح گھر کو جنت بنا سکتا ہے وہ ظاہر ہے (۲/۲۳۱) ۔ نیز چونکہ اَتْرَابٌ ، ہمسر اور برابر کے لوگوں کو بھی کہتے ہیں ، اس لئے اس میں برابری اور مساوات کا پہلو بھی نمایاں ہے ۔ (اس کے لئے عنوان ز ۔ و ۔ ج بھی دیکھئے) ۔

ت ر ف

اَلتُّرْفَۃُ ۔ آسودگی اور فراخئی عیش ۔ عمدہ چیز ۔ خوشگوار کھانا ۔ تَرِفَ ۔ وہ آسودہ و خوش حال ہوا ، اسے عیش و آرام کے سامان مل گئے ۔

* تاج

اَتْرَفَ - اسے خوش حال و آسودہ کیا ۔ اَلْمُتْرَفْ ۔ وہ شخص جو عیش و آرام کی زندگی گذار رہا ہو اور لذات و شہوات میں بڑھتا چلا جائے جسے فراخی عیش اور آسودگی نے بدمست کردیا ہو ۔ بعض لوگوں نے اسکے معنے ایسے خوشحال کے کئے ہیں جس کے پاس کثرت سے دولت ہو اور وہ اسکی بنا پر لیڈر بن جائے ، اور جو کچھ کرے اس پر اسے ٹوکا نہ جائے ۔ نیز وہ شخص کہ جو کچھ اس کے جی میں آئے کرتا رہے اور اسے کوئی روکنے والا نہ ہو* ۔ جو کثرتِ دولت کی بنا پر سرکشی اختیار کرے ۔ اسکی جمع مُتْرَفُوْنَ اور مُتْرَفِیْنَ ہے* ۔ اَتْرَفَ فُلَانٌ ۔ اسنے سرکشی اختیار کرلی اور نافرمانی میں بڑھتا چلا گیا ۔

مُتْرَفِیْنَ ۔ قرآن کریم کی اہم اصطلاح ہے ۔ اسنے کہا ہے کہ شروع ہی سے یہہ سلسلہ چلا آرہا ہے کہ خدا کی طرف سے جب بھی کوئی صحیح نظام کی طرف دعوت دینے والا آیا تو قوم کے مُتْرَفِیْنَ نے اس دعوت کی سخت مخالفت کی ۔ یہہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی کمائی پر عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے اور پھر ان لوگوں پر حکومت بھی کرتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ صحیح نظام ربوبیت میں ایسے لوگوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی ۔ اسلئے یہ ہمیشہ اس دعوت کی مخالفت کرتے ہیں ۔ دیکھئے قرآن کس حصر کے ساتھ کہتا ہے کہ وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْھَا اِنَّا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهٖ کٰفِرُوْنَ ($\frac{۳۴}{۳۴}$) " ہم نے کسی بستی میں کوئی نذیر نہیں بھیجا جس کے مترفین نے یہ نہ کہا ہو کہ جو پیغام تمہیں دیکر بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر اور مخالف ہیں "۔ اس سے اگلی آیت نے مترفین کی وضاحت کردی ۔ قَالُوْا نَحْنُ اَکْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ($\frac{۳۴}{۳۵}$) "وہ کہتے تھے کہ ہمارے پاس مال و دولت اور افراد خاندان بڑی کثرت سے ہیں "۔ اس لئے ہمیں کون ہاتھ لگا سکتا ہے ۔ یہ وہی طبقہ ہے جو عصر حاضر میں سرمایہ داروں کا طبقہ کہلاتا ہے اور جو محض اپنی دولت کے زور پر قوت و اقتدار حاصل کرلیتا ہے ۔ انہی میں وہ مذہبی پیشوا بھی شامل ہیں جو خود کوئی کام نہیں کرتے اور دوسروں کی کمائی پر تن آسانی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور پھر انہی لوگوں پر حکومت بھی کرتے ہیں جو انہیں لا لا کر کھلاتے ہیں ۔ قرآن نے کہا ہے کہ یہ طبقہ بھی ہمارے قوانین و نظام کی مخالفت میں پیش پیش رہتا ہے اور لوگوں کو یہہ کہکر بھڑکاتا رہتا ہے کہ دیکھو یہہ داعیٔ انقلاب اس مذہب کی مخالفت کرتا ہے جو تمہارے آبا و اجداد سے چلا آتا ہے ۔ (دیکھئے $\frac{۴۳}{۲۳}$ ، $\frac{۳۴}{۴۳}$) ۔ یہہ سب مُتْرَفِیْنَ ہیں جنہیں قرآن نے

* (تاج و محیط و راغب)

انسانیت کے بدترین دشمن قرار دیا ہے ۔ اور یہی اہل جہنم ہیں ۔ (اِنَّھُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذَالِكَ مُتْرَفِيْنَ (۵۶/۴۵))۔ سورۃ مومنون میں ہے وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۲۳/۳۳) "یہ لوگ ہمارے قوانین کی مخالفت اسلئے کرتے ہیں کہ انہیں سامان زندگی بڑی فراوانی سے حاصل ہے اور اسنے انہیں سرکش و متکبر بنا دیا ہے"۔ قرآنی نظام میں نہ سرمایہ داری باقی رہتی ہے نہ مذہبی پیشوائیت ۔ اس میں ہر شخص کام کرتا ہے اور کوئی دوسرے کی محنت پر عیش نہیں اڑا سکتا ۔ (نیز دیکھئے عنوان م ۔ ل ۔ أ)

ت ر ک

تَرْكٌ ۔ کے معنے ہیں چھوڑ دینا ۔ پھینک دینا ۔ ڈال دینا ۔ خالی کر دینا ۔ تِرْكَةُ الرَّجُلِ ۔ آدمی کی میراث کو کہتے ہیں جسے وہ چھوڑ کر مرے ۔ تَرِيْكَةٌ اس عورت کو کہتے ہیں جس سے کوئی شادی نہ کرے۔ نیز انڈے کا خول جس میں سے چوزہ نکل گیا ہو*۔

اَلتَّرِيْكُ ۔ اس خوشے کو کہتے ہیں جس کے تمام پھل کھا لئے گئے ہوں یا جھاڑ لئے گئے ہوں*۔

بعض کا خیال ہے کہ کسی کام کو چھوڑ دینا ۔ خواہ ارادةً ہو خواہ مجبوراً ۔ تَرْكٌ کہلاتا ہے ۔ اس میں دونوں باتیں شامل ہوتی ہیں ۔ یعنی جس کام کو انسان کر رہا ہے اسے چھوڑ دینا ، یا کسی کام سے محتاط رہنا (اسے ہاتھ ہی نہ لگانا) یہ بھی تَرْكٌ ہے ۔ چنانچہ اَلتَّرِيْكُ اس باغیچہ کو کہتے ہیں جس کے مالک اس سے غفلت برتیں اور اس کی دیکھ بھال نہ کریں (ابن فارس) ۔ لیکن جس کام کے کرنے کی انسان میں قدرت ہی نہ ہو اسے نہ کرنا تَرْكٌ نہیں کہلا سکتا**۔

تَرْكٌ ۔ جَعَلَ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے***۔ اس کا مطلب ہوتا ہے کسی چیز کو ایسا کر دینا ۔ نیز اس کے معنی کسی سلسلہ کو باقی رکھنے (دوام عطا کر دینے) کے بھی ہوتے ہیں***۔ مثلاً وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ (۳۷/۷۸) کے معنی ہیں ہم نے اس کا تذکرہ آنے والی نسلوں میں باقی رکھا ۔ اسے دوام عطا کر دیا ۔ تَارَكَهُ کے معنی ہیں وہ جس حالت میں تھا اسے اسی حالت میں رہنے دیا***۔

---

* تاج ** محیط ۔ *** تاج و لین ۔

ت س ع

تِسْعَةُ رِجَالٍ - نو آدمی - تِسْعُ نِسْوَۃٍ نو عورتیں- تِسْعُ آیَاتٍ (۱۲/۲۷) نو نشانیاں - تِسْعَةَ عَشَرَ (۷۴/۳۰) انیس (داروغے) تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً (۳۸/۲۳) ننانوے بھیڑیں -

ت ع س

اَلتَّعْسُ- منہ کے بل گر پڑنا - ایسا گرنا کہ پھر اٹھا ھی نہ جائے - لغزش - ھلاکت - پست ھو جانا - انحطاط - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی الٹ دینا لکھے ھیں - تَعَسَہُ اللّٰہُ - خدا نے اسے تباہ کر دیا - فَھُوَ مَتْعُوْسٌ - سو وہ تباہ ھوگیا - بد دعا کے طور پر کہتے ھیں تَعْسًا لَہٗ** - قرآن کریم میں ھے وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّھُمْ (۴۷/۸) ''جنہوں نے انکار و سرکشی کی راہ اختیار کی تو ان کے لئے ھلاکت اور بربادی، ذلت اور نگوں ساری ھے،، -

ت ف ث

اَلتَّفَثُ - صاحب تاج العروس نے مختلف ائمہ لغت کے حوالوں سے لکھا ھے کہ اشعار جاھلیہ میں یہ لفظ کہیں نہیں ملتا اسلئے اسکے لغوی معنے متعین نہیں کئے جا سکتے - البتہ تفسیر میں ھے کہ تَفَثٌ حج کے مناسک میں سے سر منڈانے - ناخن کتروانے - بغل اور زیر ناف کے بال صاف کرنے - قربانی اور رمی (کنکریاں مارنے) کیلئے آتا ھے* - صاحب محیط نے لکھا ھے کہ التَّفَثُ - بالوں کی پراگندگی و پریشانی کو کہتے ھیں - نیز ابن عباس سے منقول[لہ] ھے کہ تَفَثٌ تمام مناسک حج کے لئے جامع لفظ ھے - اس اعتبار سے ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَھُمْ (۲۲/۲۹) کے معنے ھونگے وہ اپنے جملہ ارکان حج ادا کریں - تَفِثَ الرَّجُلُ يَتْفَثُ - اسوقت کہتے ھیں جب کوئی شخص اپنے بالوں کو صاف کرنا اور ان میں کنگھی وغیرہ کرنا چھوڑ دے اور اسطرح ژولیدہ و پراگندہ بال ھو جائے*** - جیسا کہ اوپر کہا گیا ھے، قرآن کریم میں حج کے اجتماع کے ضمن میں ھے ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَھُمْ (۲۲/۲۹) ''پھر چاھئے کہ وہ اپنے ''تفث،، کو پورا کریں،، - اسے اگر مناسک حج تک محدود رکھیں تو اسکا مفہوم بالوں وغیرہ کی صفائی ھوگا - لیکن اگر مجازاً اسکا مفہوم وسیع کر لیا جائے تو اسکے معنے ملت کی کثافتیں دور کرنے کی تدابیر سوچنا ھوگا- حج ، ملی مسائل کا حل سوچنے کے لئے عالمگیر اجتماع ھوتا ھے - (حج میں بال مونڈنے کے متعلق دیکھئے عنوان ح - ل - ق)

---

*تاج و راغب - **تاج - ***محیط - لہ ابن عباس کا قول یہ ہے کہ ''تفث'' سر کے بال مونڈنے یا ترشنے، داڑھی مونچھیں بنانے اور بغل کے بال لینے اور ذبح و رمی کو کہتے ہیں''

ث ق ن

اَلثّقْنُ ۔ ماہر آدمی * ۔ ہر وہ چیز جس سے انسانی معاش قائم ہوتی ہے اور معاملات کی درستگی ہو جاتی ہے ۔ جیسے معدنیات وغیرہ ۔ نیز ، ہر وہ چیز جس سے کسی دوسری چیز کی درستگی ہو جائے ** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں (۱) کسی کو مضبوط اور محکم بنانا اور (۲) گارا اور چکنی کالی مٹی ۔ اَتْقَنَ الْاَمْرَ اِتْقَانًا ۔ کسی معاملہ کو محکم کر دینا * ۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ (۲۷/۸۸) '' اسنے ہر شے کو نہایت درست اور محکم بنایا ہے ،، ۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کی صفات حسنیٰ (الاسماء الحسنیٰ) بیان کرنے سے جہاں صفاتِ خداوندی کا صحیح صحیح تصور سامنے لانا مقصود ہے وہاں یہ بتانا بھی مطلوب ہے کہ جو افراد ، قوم ، معاشرہ یا نظام قوانین خداوندی کا اتباع کریگا اس میں (تابہ حد بشریت) یہی صفات اجاگر ہوتی چلی جائینگی ۔ مثلاً جب خدا کے متعلق کہا گیا ہے کہ صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ (۲۷/۸۸) '' یہ اس خدا کی صنعت ہے جس نے ہرشے کو نہایت درست اور محکم بنایا ہے ،، تو اس سے مقصود یہ بھی ہے کہ جماعت مومنین کی بنیادی صفت یہ بھی ہوگی کہ وہ جوچیز بنائیگی محکم اوردرست بنائیگی ۔ اس میں نہ کسی قسم کا جھول ہوگا نہ سلوٹ ، نہ نقص ہوگا نہ عدمِ تناسب ، نہ ہی وہ ناپختہ اور ناتمام ہوگی ۔ جسطرح کارگہ کائنات کے متعلق پورے حتم و یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ (۶۷/۳) '' تو رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کا عدم تناسب نہیں دیکھے گا ،، اسی طرح اس قوم کی مصنوعات کے متعلق بھی پورے پورے یقین اور اطمینان سے کہا جا سکیگا کہ تم ان میں کہیں تناسب و توازن کی کمی نہیں دیکھو گے ۔ دنیا میں ایسی قوم ، نہ صرف اپنے لئے بلکہ تمام نوع انسانی کے لئے جسقدر سکون و اطمینان کا موجب ہو سکتی ہے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

اور یہ تو صرف ایک صفتِ خداوندی کے انعکاس کا ذکر ہے ۔ جس قوم میں تمام صفاتِ خداوندی اسی انداز سے جھلک رہی ہوں ، اس کی نفع رسانیوں اور سکون بخشیوں کا کیا ٹھکانہ ہے ؟

*تاج و محیط ۔ **تاج

تلک

تِلکَ ۔ اشارہ بعید کے لئے مؤنث کا صیغہ ہے۔ یعنی "وہ"۔ (مؤنث)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ذا ۔

ت ل ل

تَل کے اصلی معنے ایسی جگہ کے ہیں جو اپنے آس پاس کی زمین سے قدرے بلند ہو۔ اَلتَّل مِنَ التُّرَابِ۔ مٹی کا ٹیلہ۔ نیز التَّل کے معنے تکیہ، گدا، ہیں۔ پھر اس سے اسکے معنے ٹیلہ پر پچھاڑ دینے یا لٹا دینے کے آئے ہیں۔ یا پھر یہ تَلِیْل سے ہے جس کے معنے گردن اور رخسار کے ہیں۔ اس سے تَلَّهٗ کے معنے ہونگے اسے گردن اور رخسار کے بل گرایا ۔ تَلَّهٗ ۔ یَتُلُّهٗ ۔ تَلًّا ۔ اسنے اس کو پچھاڑ دیا ۔ قَوْمٌ تَلّٰی ۔ پچھڑے ہوئے لوگ۔ تَلٌّ ۔ یَتِلُّ ۔ پچھڑ جانا ، گر پڑنا ۔ گرا دینا ۔ اَلتَّلَّةُ ۔ گرا دینا ۔ لٹا دینا (ایک مرتبہ) اَلْمِتَلُّ ۔ وہ جگہ جہاں کسی کو پچھاڑا جائے ۔ یا وہ نیزہ وغیرہ جس سے کسی کو گرایا جائے ۔ اَلتَّلِیْ ۔ ذبح کی ہوئی بکری* ۔

قرآن کریم میں قصۂ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل میں ہے وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ (۳۷/۱۰۳)۔ "اس نے اسے پٹ پڑی (کن پٹی) کے بل لٹا دیا"۔

ت ل و

تَلَوْتُهٗ ۔ تَلَیْتُهٗ ۔ میں اسکے پیچھے پیچھے چلا ۔ اَتْلَیْتُهٗ اِیَّاهُ میں نے اس سے اسکی پیروی کرائی ۔ اسے اس کے پیچھے لگایا ۔ تَلُوٌّ ۔ وہ شخص جو ہمیشہ پیچھے پیچھے چلے ۔ اَلتِّلْوُ ۔ جو چیز کسی کے پیچھے آئے ۔ اونٹ ، خچر یا بکری کا بچہ جو اپنی ماں کے پیچھے پیچھے چلے ۔ اَتْلَتِ النَّاقَةُ ۔ اونٹنی کے پیچھے پیچھے اسکا بچہ چلا ۔ اَلتَّوَالِیْ و التَّالِیَاتُ پچھلے حصے ۔ اَلتَّلِیَّةُ اور التُّلَاوَةُ ۔ قرض وغیرہ کے باقی ماندہ حصہ کو کہتے ہیں جو پیچھے (باقی) رہ جاتا ہے ۔

راغب** نے کہا ہے کہ تِلْوٌ و تُلُوٌّ کے معنے متابعت (پیچھے چلنے۔ اتباع کرنے) کے ہوتے ہیں جو کہیں جسمانی طور پر ہوتی ہے اور کہیں احکام کا اتباع ہوتا ہے

*تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔ ** راغب کی عبارت کے پورے ترجمہ کے لئے دیکھئے تتمہ صفحہ ۱۹ جلد چہارم۔

ہے۔ جسمانی طور پر پیچھے جانے کی مثال چاند کی ہے۔ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا (۹۱/۲) جس کے معنی ہیں، چاند سورج کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اور اس سے روشنی کا اقتباس کرتا ہے۔ تَتَلَّاهُ تَتَلِّياً۔ اس نے اس کا پیچھا کیا۔ تَتَلَّيْتُ حَقِّي: میں نے اسکا پیچھا لیکر اس سے اپنا پورا پورا حق وصول کرلیا*۔ اتباعِ احکام کیلئے تلاوت قرآن کا حکم موجود ہے۔ راغب کے نزدیک تِلَاوَۃٌ بالخصوص خدا کی طرف سے نازل شدہ کتابوں کے اتباع کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس اتباع کیلئے ضروری ہے کہ پہلے ان احکام کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے اسلئے انہیں اسطرح پڑھنے کو بھی تلاوۃ کہتے ہیں۔ لیکن یہ لفظ قِرَاءَۃٌ (پڑھنے) سے خاص ہے۔ یعنی قِرَاءَۃ (پڑھنا) بہر حال تلاوۃ کے اندر آجاتا ہے لیکن تلاوۃ (اتباع کرنا) قراۃ کے اندر نہیں آتا**۔ لہذا تلاوت قرآن کریم کے معنی ہیں قرآن پر عمل کرنے کے لئے اسے پڑھنا۔ (نہ صرف پڑھتے رہنا)۔

فُلَانٌ يَتْلُوْ عَلٰى فُلَانٍ وَيَقُوْلُ عَلَيْهِ۔ عربی محاورہ ہے جس کے معنی ہیں فلاں آدمی فلاں کے خلاف جھوٹ بولتا اور غلط بیانی کرتا ہے*۔

تَلَاہُ کے معنی ''اسے چھوڑ دیا'' بھی آتے ہیں۔ یعنی اسطرح چھوڑ دینا کہ وہ پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہو (ابن فارس)

قرآن کریم میں ہے اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ، اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ، (۲/۱۲۱)۔ ''جن لوگوں کو ہم نے یہ کتاب دی ہے وہ اسکی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے، یہی لوگ ہیں جو اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں''۔ ظاہر ہے کہ اسمیں تلاوت کے معنے اتباع کرنے کے ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہی لوگ درحقیقت اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ ورنہ اگر اسکے معنی فقط پڑھنے کے ہوں تو قرآن کو تو غیر مسلم بھی پڑھتے ہیں جو اسپر ایمان نہیں رکھتے۔ لہذا قرآن کی تلاوت سے مراد اسکے احکام کا اتباع ہے۔ اسے پڑھا اسلئے جاتا ہے کہ اسے سمجھا جائے اور سمجھا اسلئے جاتا ہے کہ اس پر عمل کیا جا سکے۔ قرآن کا اسطرح پڑھنا کہ وہ سمجھ میں نہ آئے یا اسے فقط سمجھ لینا اور اسپر عمل نہ کرنا، کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ قرآن نے کہا ہے کہ مومن درحقیقت وہی ہیں جو اسکی پوری پیروی کرتے ہیں۔

* تاج و محیط۔ **راغب

قرآن مجید میں نبی اکرمؐ کے متعلق جو فرمایا ہے کہ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ آیَاتِهٖ، (۳/۱۶۳) "وہ جماعت مومنین کے سامنے خدا کے احکام پیش کرتا ہے"۔ تو اسکے ساتھ ہی کہہ دیا کہ وَ یُزَکِّیْهِمْ (۳/۱۶۳)۔ وہ ان کی صلاحیتوں کی نشو و نما کا سامان بھی بہم پہنچاتا ہے (دیکھئے عنوان ز-ک-و) اس سے ظاہر ہے کہ تلاوتِ قرآن سے مقصود یہ ہے کہ خدا کا نظام عملاً متشکل ہو جائے جسکے تعمیری نتائج (یعنی افرادِ معاشرہ کی نشوونما) محسوس صورت میں سامنے آ جائیں۔ صرف قرآن پڑھ لینے کو تلاوت کہنا اور سمجھ لینا کہ اس سے مقصد حاصل ہوگیا ہے خود فریبی ہے۔ قرآن کو سمجھنا اور اسپر عمل کرنا ضروری ہے۔ پھر سمجھ لیجئے کہ قرآن کا پڑھنا اسلئے ضروری ہے کہ اسے سمجھ لیا جائے اور سمجھنا اس لئے ضروری ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ اگر قرآن کو سمجھا نہ جائے تو اسکا پڑھنا کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ اور اگر اسپر عمل نہ کیا جائے تو اس کا سمجھنا بھی بیکار ہے۔

سورۃ صٰفّٰت میں فَالتّٰلِیٰتِ ذِکْرًا (۳۷/۳) آیا ہے۔ یعنی قرآن کا اتباع کرنے والی جماعتیں۔ سورۃ بقرۃ میں یہودیوں کے خلاف ایک الزام یہ بھی ہے کہ وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْکِ سُلَیْمٰنَ (۲/۱۰۲)۔ "یہ ان باتوں کی پیروی کرتے ہیں جو شیاطین (دین خداوندی کے دشمنوں) نے مملکتِ سلیمان کے متعلق عام کر رکھی تھیں"۔ اگر یہ دیکھنا ہو کہ دین خداوندی کے دشمنوں نے انبیائے بنی اسرائیل کے خلاف کیا کیا افسانے وضع کئے تھے، اور یہودی کسطرح ان افسانوں کو آسمانی تعلیم مانتے ہیں، تو اسکے لئے تورات (بائبل کا عہد نامہ عتیق) پڑھئے۔ اس میں ایسی ایسی باتیں ان انبیائے کرامؑ کے خلاف موجود ہیں جنہیں کوئی شریف آدمی سن نہیں سکتا۔

ت م م

تَمَامُ الشَّیْءِ۔ وہ چیز جس سے کسی شے کی کمی پوری ہو جائے۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی پورا ہونے کے لکھے ہیں۔ بعض لوگوں نے تَمَامٌ اور کَمَالٌ کو مرادف قرار دیا ہے لیکن بعض نے ان میں یہ فرق کیا ہے کہ تَمَامٌ کسی چیز کی کمی کو پورا کر دینے کو کہتے ہیں اور کَمَالٌ اس انتہائی حد کو کہتے ہیں جس تک وہ اپنی پوری پوری نشو و نما (Devloepment) کے بعد پہنچ سکے۔ یا وہ اس مقصد کو پورا کردے

جس کے لئے وہ بنائی گئی ہے۔ چنانچہ رَجُلٌ تَامُّ الْخَلْقِ کے معنے ہوتے ہیں ایسا آدمی جس کے اعضاء میں کوئی نقص (Constitutional Defect) نہ رہ گیا ہو۔ اور کَامِلُ الْخَلْقِ اسے کہتے ہیں جس میں حسن و خوبی اپنی انتہا تک پہنچ چکی ہو۔ یعنی یہ تَمَامٌ سے آگے ہوتا ہے *۔

تَمَّ الشَّيْءُ ۔ چیز پوری ہو گئی۔ تَمَّ عَلَيْهِ ۔ وہ اس پر مداومت سے قائم رہا۔ اس کا ہمیشہ پابند رہا۔ أَتَمَّ الشَّيْءَ : چیز کو پورا کر دیا *۔

قرآن کریم میں ہے وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ($\frac{2}{124}$) "جب اس کے نشو و نما دینے والے نے ابراہیم کے لئے نمود ذات کے مختلف مواقع بہم پہنچائے تو وہ دوام و ثبات سے ان میں پورا اترا اور اس طرح اس نے بتا دیا کہ اس میں کوئی کمی باقی نہیں رہی۔" سورۃ المائدہ میں ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ($\frac{5}{3}$) "اب ہم نے تمہارا غلبہ و اقتدار انتہا تک پہنچا دیا۔ (کوئی سرکش قوت باقی نہیں رہی) تمہارے نظام زندگی کی تکمیل ہو گئی۔ اور ہماری نعمتوں میں سے جس جس کی کمی تھی ہم نے وہ سب پوری کر دی"۔ سورۃ انعام میں ہے۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ($\frac{6}{116}$) "قوانین خداوندی میں سے جو کچھ باقی رہتا تھا وہ بھی سب کا سب صدق و عدل سے پورا ہو گیا، اور اب اس میں تبدیلی کرنے والا کوئی نہیں"۔ اس طرح دین کی تکمیل ہو گئی اور نبوت ختم ہو گئی۔ اس لئے کہ جب قوانین خداوندی میں نہ کسی اضافے کی ضرورت باقی رہے نہ رد و بدل کی گنجائش، تو پھر اور نبی آئیگا کس کام کیلئے؟ آیت $\frac{5}{3}$ کے مزید مفہوم کے لئے دیکھیں تتمہ ص۱۸۲۰ جلد چہارم عنوان ت م م۔

مُتِمٌّ ۔ پورا کرنے والا ($\frac{61}{8}$)۔

تَنُّوْر

اَلتَّنُّوْرُ ۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مادہ نَارٌ ۔ نُوْرٌ ہے (دیکھئے عنوان ن ۔ و ۔ ر) لیکن بعض کا خیال ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے۔ عربوں نے معرب بنا لیا ہے۔ اس کے ایک معنے تو وہی ہیں جو ہماری زبان میں رائج ہیں۔ یعنی روٹی پکانے کا تنور۔ لیکن اَلتَّنُّوْرُ وادی کے اس مقام کو بھی کہتے ہیں

* تاج ۔

جہاں پانی جمع ہو جائے - نیز ہر اس جگہ کو جہاں سے پانی کا چشمہ ابلتا ہو - نیز بلند اور اونچی زمین کو کہتے ہیں * -

قرآن کریم میں حضرت نوح ؑ کے طوفان کے ضمن میں ہے فَارَ التَّنُّوْرُ (۱۱/۴) - یہاں تنور سے مراد وادی کی وہ جگہ ہے جہاں بارش کا پانی جمع ہو رہا تھا - یعنی بارش اس زور کی ہوئی (۱۱/۴) کہ وادی میں جہاں پانی جمع ہوتا تھا وہاں پانی میں سخت جوش پیدا ہو گیا اور اس نے طوفان کی شکل اختیار کر لی -

ت و ب

تَابَ - تَوْبًا - تَوْبَةً - مَتَابًا - کے معنے ہیں واپس آ جانا**- آپ شاہراہ حیات پر چلے جا رہے ہیں - راستہ میں ایک چوراہا آیا جہاں سے آپ ایک طرف کو مڑ گئے - چند قدم آگے جا کر آپکو محسوس ہوا کہ آپکا قدم غلط سمت کو اٹھ گیا ہے - صحیح راستہ یہ نہیں - اب آپکو صحیح راستہ کی طرف جانے کیلئے اس مقام تک لوٹ کر آنا ہوگا جہاں سے آپکا قدم غلط سمت کو اٹھا تھا - اس واپسی کو تَوْبَةٌ کہتے ہیں - ظاہر ہے کہ اسکے لئے آپکو چلکر واپس آنا ہوتا ہے - وہیں کھڑے کھڑے اگر آپ عمر بھر بھی افسوس کرتے رہینگے کہ میں نے غلط سمت کیطرف کیوں قدم اٹھا لیا تو یہ تَوْبَةٌ نہیں ہوگی - تَوْبَةٌ ایک عملی اقدام ہے جس سے غلط کام کو (Un-Do) کیا جاتا ہے- اس کے مضر اثرات کی تلافی کی جاتی ہے - تَابَ عَنْہُ اور مِنْہُ کے معنے ہیں اسنے اپنی غلطی کا احساس کر کے غلط روش کو چھوڑ دیا اور صحیح راستہ کی طرف لوٹ آیا - غلطی کا احساس، احساس کے بعد غلط روش سے اجتناب اور پھر صحیح روش کا اختیار کرنا، یہ تینوں مراحل تَوْبَةٌ کے اندر شامل ہیں - ایسا کرنے والے کو تَائِبٌ کہتے ہیں**- اسی لئے قرآن کریم میں آیا ہے کہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْہِبْنَ السَّیِّاٰتِ (۱۱/۱۱۴) - ''اعمال حسنہ میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ غلط اعمال کے نقصان رساں نتائج کا ازالہ کر دیں،، - اسی کو تَوْبَةٌ کہتے ہیں - یعنی غلط کام کے نقصان رساں نتائج کی تلافی کے لئے صحیح کام کرنے - اس مقام پر ایک نکتہ کا سمجھ لینا ضروری ہے - آپ نے کسی شخص کا کوئی حق دبا لیا - کچھ عرصہ کے بعد آپ کو اپنی اس غلط حرکت کا احساس ہوا- آپ کے دل میں ندامت کے جذبات بیدار ہوئے- آپ کی توبہ یہ ہے کہ آپ اس شخص کا حق واپس دیدیں اور

* تاج و محیط و لطائف اللغۃ - **تاج

آئندہ کے لئے عہد کریں کہ آپ کبھی کسی کی حق تلفی نہیں کرینگے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ آپ نے شراب پی لی۔ کچھ وقت کے بعد آپ کو اپنی غلط کاری کا احساس ہؤا۔ اس میں توبہ کی شکل یہی ہے کہ آپ اپنے عمل پر نادم ہوں اور آئندہ کے لئے کبھی اس کے مرتکب نہ ہوں۔

شروع میں بیان کردہ مثال میں، جب آپ نے اس چوراہے سے غلط راستہ اختیار کیا تھا تو صحیح راستہ نے آپکا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ جب آپنے اپنی غلطی کے احساس کے بعد غلط راستہ کو چھوڑ دیا اور صحیح راستہ کی طرف رخ کیا تو صحیح راستہ نے بھی (جو اسوقت تک آپ سے منہ سوڑے ہوئے تھا) آپکی طرف رخ کر لیا۔ رخ ھی نہیں کر لیا بلکہ آپ نے اسکی طرف ایک قدم اٹھایا تو وہ دو قدم اٹھا کر آپکی طرف بڑھ آیا۔ دو قدم اسطرح کہ ایک قدم وہ کم ہوا جو آپ پہلے مخالف سمت میں جاتے وقت اٹھا رہے تھے اور دوسرا قدم وہ جو آپنے اسکی طرف اٹھایا۔ اسے تَابَ عَلَيْهِ کہتے ہیں۔ اور ایسا کرنے والے کو تَوَّابٌ۔ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ($\frac{110}{3}$) خدا کے متعلق ہے۔ اور اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ ($\frac{2}{222}$) بندوں کے متعلق۔ یعنے جب انسان غیر خدائی قانون کو چھوڑ کر قانون خداوندی کی طرف رخ کرتا ہے تو یہ قانون اپنے تمام خوشگوار نتائج کو لئے ہوئے اس انسان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ($\frac{3}{127}$) میں یہ لفظ عَذَابٌ کے مقابلہ میں آیا ہے۔ نیز ($\frac{9}{106}$) میں۔ بالفاظ دیگر انسان کسی جرم کے ارتکاب سے ابدی طور پر زندگی کی خوشگواریوں سے محروم نہیں ہو جاتا۔ وہ جب بھی قانونِ خداوندی کو اختیار کریگا اس قانون کے خوشگوار نتائج اسکی طرف لپک کر آ جائینگے۔ یعنے ہر شخص کیلئے باز آفرینی کا امکان موجود ہوتا ہے۔ اور اسی طرح ہر قوم کیلئے نَشْاَۃِ ثَانِیَۃ کا امکان۔ (قوموں کی زندگی میں وہ مرحلہ کب آتا ہے جب انکی حیاتِ نو نا ممکن ہو جاتی ہے اس کے متعلق ھ ۔ ل ۔ ک کے عنوان میں بتایا جائیگا) لیکن یہ باز آفرینی اسی وقت تک ممکن ہے جب انسان کے لئے عملِ صالح کرنے کا امکان ہو۔ جب عمل کا موقع ختم ہو جائے تو پھر باز آفرینی ناممکن ہو جاتی ہے۔ جہنم میں عمل کا موقع باقی نہیں رہتا اس لئے باز آفرینی ناممکن ہو جاتی ہے۔

توبہ اور استغفار میں کیا فرق ہے اسکے لئے (غ۔ف۔ر) کا عنوان دیکھئے۔ لطائف اللغۃ میں ہے کہ توبہ سابقہ گناہوں پر ندامت کو کہتے ہیں۔ اور انابت، مستقبل میں ترک معاصی کو۔

*تاج۔

آلتّابُوْتُ ۔ صندوق کو کہتے ہیں کیونکہ جو چیزیں اس سے نکالی جاتی ہیں وہ اس میں واپس ہوتی رہتی ہیں* ۔ (اس ضمن میں عنوان تابُوْتٌ بھی دیکھئے)۔

ت و ر

آلتَّوْرُ ۔ بہنا، جاری ہونا۔ ایلچی، سفیر ۔ آلتَّوْرَةُ۔ باندی جنو اپنے چاہنے والوں میں آتی جاتی رہے ۔

آلتَّارَةُ ۔ وقت ۔ مرتبہ ۔ جیسے جِئْتُهُ تَارَةً اُخْرٰی۔ میں اس کے پاس دوسری مرتبہ گیا ۔ آتَارَهُ ۔ اسنے اسے یکے بعد دیگرے دھرایا ۔

آلتَّائِرُ ۔ تھکنے کے بعد بھی برابر کام میں لگا رہنے والا* ۔

سورۃ طٰہٰ میں ہے نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی ($\frac{۲۰}{۵۵}$) ۔ ''ہم تم کو دوسری مرتبہ نکالینگے،، ۔ راغب نے کہا ہے کہ یہ تَارَ الْجُرْحُ سے ماخوذ ہے جسکے معنے زخم کا بھر جانا اور مندمل ہو جانا ہے** ۔ بہنا ۔ جاری رہنا۔ اور تھکنے کے بعد بھی کام میں لگے رہنا کے اعتبار سے دیکھا جائے تو زندگی کی جوئے رواں کے لئے تَارَةً کا لفظ کسقدر معنی خیز ہے۔ حیات کا سلسلہ غیر منقطع ہے ۔ اس میں صرف احوال و ظروف کی تبدیلیاں ہوتی ہیں ۔ اس کا نام تَارَةً اُخْرٰی ہے ۔

التَّوْرَاةُ ۔ (دیکھئے عنوان تورات) ۔

تَوْرَات

بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ وَرْیٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنے روشن کرنے کے ہیں* ۔ (اس کے لئے دیکھئے عنوان و۔ ر۔ ی)

لیکن اصل وہی ہے جو صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ تُورَہ کا معرب ہے جو عبرانی لفظ ہے اور جسکے معنے شریعت اور حکم کے ہیں ۔ اسکی جمع تُورَاتٌ ہے ۔ یعنے احکام وشرائع*** ۔

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ تورات اس کتاب کا نام ہے جو حضرت موسٰیؑ پرنازل ہوئی تھی۔لیکن قرآن کریم نے حضرت موسٰیؑ کی کتاب کا نام خصوصیت سے تورات نہیں بتایا ۔ تورات کے متعلق اس نے کہا ہے کہ وہ حضرت ابراھیمؑ کے بعد ($\frac{۳}{۶۴}$) بلکہ حضرت یعقوبؑ کے بعد ($\frac{۳}{۹۲}$) اور حضرت

*تاج ۔ **راغب ۔ ***محیط

عیسیٰؑ سے پہلے (۵/۴۶) نازل ہوئی تھی۔ یہ یہودیوں کے لئے آسمانی راہنمائی تھی اور اس میں احکام خداوندی مندرج تھے۔ (۵/۴۴)۔ اس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ اس کے مطابق انبیائے بنی اسرائیل اور ان کے علماء و مشائخ معاملات کا فیصلہ کرتے تھے (۵/۴۴)۔ ان تصریحات سے واضح ہے کہ قرآن کی رو سے تورات آن مجموعۂ کتب کا نام ہے جو انبیائے بنی اسرائیل پر حضرت عیسیٰؑ سے پہلے نازل ہوئیں۔ اسی مجموعہ کو عہد نامہ عتیق (Old Testament) کہا جاتا ہے۔ اس میں انتالیس صحیفے ہیں اور ہر صحیفہ اپنے نبی کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں "اسفار موسیٰ" بھی شامل ہیں جنہیں قرآن "صحف موسیٰ" سے تعبیر کرتا ہے (۸۷/۱۹) نیز "کتاب موسیٰ" سے بھی (۱۱/۱۷)۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق، یہ کتاب چند تختیوں پر لکھی ہوئی تھی (۷/۱۴۵)۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، موجودہ عہد نامہ عتیق کے مجموعہ میں انتالیس کتابیں ہیں لیکن ان میں بعض ایسی کتابوں کا حوالہ آتا ہے جو اس مجموعہ میں موجود نہیں ہیں۔ اس قسم کی کم ازکم گیارہ کتابیں گنائی جا سکتی ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ یہ مجموعہ نامکمل ہے۔

اس سے آگے بڑھئے۔ "اسفار موسیٰ"، کو حضرت موسیٰؑ کیطرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن ان میں حضرت موسیٰؑ کی وفات اور وفات کے بعد کے حالات بھی موجود ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کتابوں کا کم از کم کچھ حصہ حضرت موسیٰؑ کے بعد کا اضافہ ہے۔

عہد نامہ عتیق کی کتابوں کے متعلق اسوقت تک بالتحقیق ثابت نہیں ہو سکا کہ ابتداءً یہ کس عہد میں مدون ہوئیں اور ان کے مؤلف کون تھے۔ البتہ اتنا ضرور متحقق ہے کہ ایک زمانہ ایسا آیا تھا جس میں ان کا وجود ناپید ہو چکا تھا۔ یعنی جب چھٹی صدی قبل مسیح میں بابل کے شہنشاہ بخت نصر نے بیت المقدس کو تباہ و برباد کیا ہے (دیکھئے عنوان بنی اسرائیل)۔ تو اس نے تورات کی الواح کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ جب یہودی، بابل کی قید سے رہائی کے بعد دوبارہ بیت المقدس میں آئے تو انہیں اپنے گم گشتہ صحف مقدسہ کی ترتیب نو کی فکر ہوئی۔ چنانچہ عزرا نبی نے سلسلہ اول کی پانچ کتابوں کو ازسرنو مرتب کرکے واقعات کو مؤرخانہ حیثیت سے قلمبند کیا۔ لیکن خود عزرا نبی کے متعلق بھی یقینی طور پر معلوم نہیں کہ وہ کب یروشلم آئے تھے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۴۴۴ ق۔م میں ان کتابوں کو

مرتب کیا تھا۔ یہ ترتیب و تدوین کسطرح عمل میں آئی تھی اس کے متعلق خود عزرا کی زبان سے سنئے۔ وہ کہتے ہیں۔

''دوسرے روز ایک آواز نے مجھے بلایا اور کہا کہ عزرا! اپنا منہ کھولو اور وہ کچھ پیو جسے میں تمہیں پینے کے لئے دیتا ہوں۔ سو مینے اپنا منہ کھول دیا۔ تب دیکھو اس نے مجھ تک ایک پیالہ بھیجا۔ وہ پانی سے بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا لیکن اس کا رنگ آتشیں تھا۔ مینے اسے لیا اور پی گیا۔ جب مینے اسے پی لیا تو میرے دل میں فہم و فراست اور سینے میں بصیرت پیدا ہو گئی اور میری روح نے میرے حافظہ کو قوی بنا دیا۔ اور پھر جو میری زبان کھلی ہے تو بند نہیں ہوئی اور لکھنے والے چالیس دن تک بیٹھے لکھتے رہے۔ وہ دن بھر لکھتے تھے اور صرف رات کے وقت کچھ کھاتے اور میں دن بھر لکھاتا رہتا تھا اور رات کو بھی میری زبان بند نہ ہوتی تھی۔ چالیس دنوں میں انہوں نے ۲۰۴ کتابیں لکھ ڈالیں''۔ (کتاب عزرا ۲ - $\frac{۱۴}{۴۸ - ۴۴}$)۔

یہ بیان کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔ اس پر صرف اتنا اضافہ کافی ہوگا کہ یروشلم کی تباہی ۵۸۷ ق م میں ہوئی اور عزرا نے ان کتابوں کو ۴۴۴ ق م میں لکھوایا۔ یعنی قریب ڈیڑھ سو سال بعد۔ ظاہر ہے کہ عزرا نے ان کتابوں کو خود کہیں نہیں دیکھا تھا جو انہیں حفظ یاد کر لیا ہوتا۔ اس لئے انہوں نے حفظ کردہ کتابوں کو دوبارہ نہیں لکھوایا بلکہ ان کتابوں کو انہوں نے خود تصنیف کیا۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ خود عزرا کے بیان کے مطابق انہوں نے ۲۰۴ کتابیں لکھوائی تھیں لیکن اب کہا جاتا ہے کہ انہوں نے صرف پانچ کتابیں (اسفار موسیٰ) مرتب کرائی تھیں۔

عزرا کے بعد نحمیاہ نبی نے کچھ اور کتابوں کو مرتب کیا۔ لیکن ۱۶۸ ق م میں انطاکیہ کے یونانی بادشاہ، انٹونس نے پھر بیت المقدس کو برباد کیا اور مقدس صحیفوں کو جلا دیا۔ اس کے بعد یہودا مقابی کی ہمت سے ان صحیفوں کو ازسر نو مرتب کیا گیا۔ لیکن ۷۰ ء میں رومیوں کا طوفان اٹھا اور ٹائٹس نے بیت المقدس کو اسطرح برباد کیا کہ یہودی اسمیں پھر نہ بس سکے۔ وہ ان صحیفوں کو ہیکل سے نکال کر اپنے ساتھ لے گیا۔ اس کے بعد یہودی علماء نے ان صحیفوں کو اپنے حافظہ کی مدد سے پھر مرتب کیا۔

پھر یہی نہیں کہ ان کتابوں کو حوادث ارضی و سماوی تباہ کر دیتے تھے۔ ان میں دانستہ تحریف و الحاق کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ چنانچہ مشہور مسیحی مؤرخ رینان (Life of Jesus) میں لکھتا ہے کہ

زمانہ قرب مسیحؑ میں تورات میں بہت سی اہم تبدیلیاں کی گئیں۔
بالکل نئی کتابیں (مثل کتاب استثناء) مرتب کی گئیں۔ یہ کتابیں
حضرت موسیٰؑ کی اصل شریعت کی حامل کہی جاتی ہیں حالانکہ
ان کی روح پرانی کتابوں سے بلکل مختلف تھی۔ (ص۔۰۴)

اس کے علاوہ یہودیوں نے ایک اور عقیدہ بھی وضع کیا۔ وہ یہ کہ وحی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تورہ شبکتب (یعنی وحی مکتوب یا متلو) اور دوسری تورہ شبعلفہ، وحی غیر مکتوب (وحی غیر متلو)۔ یہودی علماء نے وحی غیر متلو کی روایات کو جمع کرکے اسے بھی تورات کا درجہ دیدیا۔ اس مجموعہ کو مشنا کہا جاتا ہے۔ پھر اس مجموعہ کی تشریحات و تفسیرات جمع کی گئیں۔ اس کا نام جمارا ہے۔ ان دونوں کے مجموعہ کو تالمود کہتے ہیں۔ تالمود دو ہیں۔ ایک شامی دوسرا بابلی۔ دونوں پانچویں صدی عیسوی کے مرتب شدہ ہیں اور آسمانی سمجھے جاتے ہیں۔

ان روایات کے علاوہ، یہودیوں کے ہاں ”باطنی علم،، کا عقیدہ بھی موجود ہے۔ اس علم کی کتابوں کو ”سفریم جنوزیم“ (مخفی خزانہ کی کتابیں) کہا جاتا ہے۔

اب کچھ تورات کی زبان کے متعلق بھی دیکھئے۔ یہودیوں کی قدیم زبان عبرانی تھی۔ بابل سے واپسی کے بعد ان کی زبان ارامی ہوگئی۔ لیکن یہودیوں کی کوئی کتاب نہ عبرانی زبان میں تھی نہ ارامی میں۔ ان کی سب کتابیں جن سے دنیا روشناس ہوئی یونانی زبان میں تھیں۔ اسفار موسیٰؑ کا یونانی زبان سے عبرانی میں ترجمہ ہوا۔ یہ یونانی نسخہ اسکندریہ کی لائبریری میں تھا جسے عیسائیوں نے جلا دیا تھا۔ ۳۹۴ء میں سینٹ جیروم نے ان کتابوں کا مشہور رومی ترجمہ شائع کیا جو (Vulgate) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بھی بالتحقیق معلوم نہیں کہ سینٹ جیروم کے پاس کونسا نسخہ تھا جس کا اس نے رومی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔

تورات کے جو نسخے دنیا میں آج مروج ہیں ان کے اختلافات کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس کا پہلا نسخہ ۱۴۸۸ء میں چھپا۔ جب اس کے دوسرے ایڈیشن کا ۱۷۰۵ء میں انتظام کیا گیا تو اس میں اور پہلے ایڈیشن میں قریب بارہ ہزار جگہ اختلاف کرنا پڑا۔ اس طبع دوم کا نسخہ اب عام طور پر تورات (عہد نامہ عتیق) کہلاتا ہے۔

مروجہ عہدنامہ عتیق کے متعلق خود یہودیوں اور عیسائی محققین کی تنقیدات کیا ہیں اس کے متعلق میری کتاب ''معراج انسانیت،، کے باب اول (ظہرالفساد) میں تورات کا عنوان ملاحظہ کیجیئے۔

یہ ہے اس تورات کی مختصر سی سرگزشت جسے یہودی اپنی آسمانی کتاب کہکر پیش کرتے ہیں اور جس کے متعلق قرآن نے چودہ سوسال پہلے کہا تھا کہ انہوں نے خدا کی کتاب کو بری طرح سے مسخ کرڈالا ہے۔ جب قرآن کریم ہم سے کہتا ہے کہ تم پہلی آسمانی کتابوں پر بھی ایمان لاؤ تو اس کا مطالبہ فقط اتنا ہوتا ہے کہ تم مانو کہ انبیائے سابقہ پر بھی خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی تھی۔ یہ نہیں کہ جن کتابوں کو اہل کتاب آسمانی کتابیں کہتے ہیں انہیں حرفاً حرفاً خدا کی وحی سمجھو۔ قرآن ان کی کسطرح ''تصدیق'' کرتا ہے اس کے لئےعنوان (ص۔ د۔ ق) دیکھئے۔

ت ی ن

اَلتِّیْنُ ۔ انجیر یا انجیر کے درخت کو کہتے ہیں۔ نیز ایک پہاڑی کا نام ہے، جسطرح زَیْتُوْنٌ بھی ایک پہاڑی کا نام ہے *۔ اَلتِّیْنُ سے مراد وہ مقام ہے جہاں سے حضرت نوحؑ نے اپنی دعوت کی آواز بلند کی تھی۔ جسطرح زَیْتُوْنٌ وہ مقام ہے جہاں سے دعوتِ حضرتِ عیسیٰؑ کا آغاز ہوا تھا۔ قرآن کریم نے ان مقامات (تین۔ زیتون۔ طور سیناؑ اور مکہ) کو اس حقیقت پر شاہد ٹھہرایا ہے (۹۵/۱) کہ حق و باطل کی یہ کشمکش شروع سے اسی طرح چلی آ رہی ہے۔ یعنی آسمانی پیغام جہاں جہاں بھی آیا، مترفین نے اس کی مخالفت کی۔ وہ دعوت حضرت نوحؑ کی تھی (التین) یا حضرت عیسےٰؑ کی (الزیتون)۔ حضرت موسےٰؑ کی تھی (طور سیناؑ) یا نبی اکرمؐ کی (البلد الامین)۔ ہر دعوت الی اللہ کی یکساں مخالفت ہوئی۔

ت ی ہ

اَرْضٌ تِیْہٌ ۔ اس سرزمین کو کہتے ہیں جسمیں نہ پہاڑ ہوں نہ ٹیلے۔ نہ کوئی دوسری چیزیں ہوں جنہیں نشانِ راہ بنایا جاسکے اور اسطرح مسافر اس میں راستہ کھو کر حیران و سرگردان پھرے۔ تَاہَ یَتِیْہُ فِی الْاَرْضِ ۔ راستہ گم کرکے زمین میں حیران و پریشان بھٹکتے پھرنا۔

---

*تاج و راغب۔

رجُل" تائیه" - بھٹکتا ھوا راھی* - اس سے تاہَ - یتیہُ کے معنے متحیر ھونے کے آتے ھیں - ابن فارس نے کہا ھے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ھیں - نیز تاہَ یتیہُ کے معنے خودرائی اور تکبر کرنا ھیں* - التیہُ - اَلتَّوہُ مقامات حیرت** - بنی اسرائیل کے متعلق ھے - یتیہُون فِی الاَرض (۵/۲۶) ''وہ (چالیس سال تک) حیران و سرگردان پھرتے رھینگے'' - یہہ حالت ھوتی ھے اُس قوم کی جو قوانین خداوندی سے گریز کی راھیں تلاش کرنےاور ان میں حجتیں نکالے - وہ سفرزندگی میں حیران و پریشان ماری ماری پھرتی ھے اور اسے کہیں نشانِ راہ اور سراغِ منزل نہیں ملتا - (جیسا کہ خود ھمارےساتھ صدیوں سے ھورھا ھے) -

---:o:---

*تاج - **راغب -